بات پر ہوا کہ اسی ہفتے کے ایک دن دونوں فریقوں کے قاضیوں کی مجلس ہوگی۔ مگر ماہ وسال گزر گئے فلاں مفتی صاحب تشریف نہ لائے تو میں مولانا اثری کے پاس گیا اور کہا کہ وہ مفتی صاحب تشریف لاتے ہیں نہ مدّعی، معاملہ اب تک معلق پڑا ہوا ہے۔ آپ میرے حق میں فیصلہ لکھ کر دے دیں یا کم سے کم یہ لکھ کر دیں مدعی اور اس کے منتخب مفتی لوگ تشریف نہیں لائے۔ تو اثری صاحب نے ایک بڑی کتاب اٹھالائی اور صفحہ کھول کر کہا کہ یہ مشکاۃ شریف ہے اس میں حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی یہ حدیث لکھی ہوئی ہے کہ جب تک فریقین کے بیانات نہ سنیں صرف ایک بیان سن کر فیصلہ نہ کریں لہٰذا میں کچھ لکھ کر نہیں دے سکتا۔

اس شخص کا کہنا ہے کہ موصوف کے اس طرز عمل سے اسی وقت میرے دل میں اپنے مفتی اور ہم مذہبوں کے خلاف ایک نفرت کا طوفان اٹھا کہ ہم جن وہابیوں کو دشمنان اہل بیت شمار کرتے تھے اور یہی تعلیمات ہمارے اخوند حضرات ہمیں دیتے تھے وہ دشمنان تو الٹے ہمیں فرمان علیؓ پیش کرر ہے ہیں اور عدل وانصاف کا دامن تھام رکھے ہوئے ہیں جبکہ ہمارے اہل بیت عظام کے وکیل ہونے کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے لوگ یکطرفہ بیان سن کر عدل کی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور اصل تعلیمات اہل بیت کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ جو بالآخر اس آبائی مسلک کو چھوڑنے پر ہی منتج ہوا۔

مرض کا آغاز، وفات حسرت آیات: مولانا ممدوح بڑھاپے میں بھی عزم جواں رکھتے تھے اور بلاتوقف اپنی ذمہ داریاں بجالا رہے تھے کہ 2002ء میں آپ کی طبیعت بگڑنا شروع ہوئی۔ مارچ 2003ء سے صاحب فراش ہو گئے۔ راولپنڈی کے جدید ہسپتالوں سے مایوس کن حالت بتانے پر واپس لائے گئے۔ وفات کے قریب اپنے استاد مولانا عبدالقادر رحمہ اللہ (متوفی 1983ء) کی باتیں کرنے لگے کہ آپ مجھے نماز جمعہ کیلئے بلا رہے ہیں۔ اندازہ ہوتا تھا کہ ''الرفیق الاعلیٰ'' سے ملاقات کا وقت آرہا ہے۔ **فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء**۔ بالآخر 05 اگست 2003ء آپ کیلئے آخرت کا پہلا دن ثابت شروع ہوا۔ (**انا للہ وانا الیہ راجعون**) دوسرے دن جماعت اہلحدیث کے سینکڑوں معتقدین اور سوگواران کے سامنے مولانا عبدالرحمٰن خلیق مرحوم اور مولانا عبدالرشید ندوی مرحوم کے مرقد کے قریب ہی ابدی نیند سو گئے اور (**منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ**) کے الٰہی اصول کے تحت لمبی تان کر سونے والوں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

پسماندگان میں ایک بہن، ایک بھائی محمد علی، ایک بیوہ، تین بیٹے اور 5 بیٹیاں چھوڑیں۔

☆☆☆☆☆

تاریخ بلتستان:24 محمد اسماعیل فضلی

ارض بلتستان

تعلیمی نظام: پہلے تعلیم حکمران خاندانوں تک محدود تھا، انہوں نے شہروں اور بڑے بڑے دیہاتوں میں سکول قائم کر دیے۔ جس سے تعلیم عام ہونے کے ساتھ ساتھ روزگار کے مواقع بھی نکلے۔ (بحوالہ تاریخ جموں ص:۱۰۰)

آفیسران مال کیلئے بندوبست کا کام سیکھنا اور قانون کا امتحان پاس کرنا لازمی قرار دیا۔ پرانی وضع کے عمال کو رفتہ رفتہ خارج کر دیا گیا، تعلیمی درجات کے مطابق تنخواہیں مقرر کر دی گئیں، تمام محکموں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے ممبروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مالی، فوجداری اور دیوانی عدالتوں کو الگ کیا گیا۔ آفیسران کے اختیارات اور فرائض تعین کیے گئے۔ عدالتوں میں اضافہ کیا گیا۔ ہر تحصیل میں ایک ذیلی جج اور ہر ضلع میں ایک سب جج تعینات کیا گیا۔ برخلاف سرکار انگلشیہ انہیں فوجداری اختیارات بھی دیے گئے اور انتظامیہ وعدلیہ کی علیحدگی کے متنازع سوال کو عملی شکل دینے کا آغاز کر دیا گیا۔ ہر ایک شعبے کیلئے قوانین مرتب کیے اور ممبرانِ کونسل کے لیے ہر کام کا الگ دستور العمل جاری کیا۔ ہر کام کو قاعدہ، قانون اور دستور العمل کا پابند بنا دیا۔ عدالتوں میں فرقہ وکلاء کا رواج ہوا، صرف سرحدی عدالتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ بیگار کا سلسلہ بتدریج کم ہوا، سرکاری دوروں اور سفر ملازمین کے لیے استعمال شدہ بار برداری کی مزدوری اور رسد کی قیمت ادا کرنے کا رواج ہوا۔ مگر رائج الوقت ظالمانہ روایتوں کی پوری طرح بیخ کنی نہ ہوسکی۔ پھر بھی بددیانت اور رشوت خور ملازمین کو سزائیں ملنے سے کسی حد تک اس کی اصلاح ہوگئی۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کا دربار: مہاراجہ کا دربار ہر خاص وعام کیلئے کھلا رہتا تھا۔ ان کے والد رنبیر سنگھ کی طرح ان کے دربار میں بھی کسی کیلئے رکاوٹ نہ تھی۔ ان کا معمول تھا کہ وہ صبح گوردوارے میں عبادت کیلئے چلے جاتے۔ دراصل یہ بھی ایک قسم کا خاص دربار تھا، جہاں خاص خاص لوگ باریاب ہوتے تھے۔ اور یہاں ان لوگوں کے معاملات طے پاتے تھے۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر دربار میں آجاتا، جہاں عام درباری اور حاجتمند لوگ پہلے سے حاضر ہوتے تھے۔ میر منشی بھی فائلیں لیکر تیار رہتا تھا۔ درخواستوں کی سماعت ہوتی اور فیصلے صادر ہوتے تھے۔ گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیتے، لوگوں سے گفت وشنید ہوتی۔ دوپہر کے بعد دربار برخاست ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر استراحت کے بعد دربار خاص شروع ہوجاتا تھا۔ تمام وزراء اور بڑے بڑے عہدیدار حاضر ہوتے۔ ریاستی معاملات پر بحث ہوتی اور